مولانا محمد حنیف ندوی

قرآن حکیم ـــــ اسما و صفات

یہ افشردۂ نور صحیفہ اور سینۂ لاہوت کا آخری راز یا بول، متعدد ناموں سے موسوم ہے چنانچہ تجیبی صراٹی (علی بن احمد بن الحسن تجیبی) نے اس سلسلہ میں نوے سے زیادہ اسماء و صفات کی نشان دہی کی ہے۔ اور بدر الدین زرکشی نے ۵۵ کے قریب کے نام گنائے ہیں ان میں جن کو شہرت و پذیرائی کا خاص مقام حاصل ہوا ہے یہ ہیں: الکتاب - ارشادِ باری ہے:

حٰمٓ ۝ تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز الحکیم[1]

یہ کتاب خدائے غالب و حکیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ و یزکیھم و یعلمھم الکتٰب و الحکمۃ[2]

جو اُن کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ان کا تزکیہ کرتے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

کتابت کے معنی لکھنے، جمع کرنے اور حکم دینے کے ہیں، اور کتاب یا الکتاب ایسے صحیفہ سے تعبیر ہے جس میں یہ تینوں اوصاف بدرجۂ اتم پائے جائیں یعنی جو باقاعدہ تحریر اور نوشتہ کی شکل میں موجود ہو، جس میں وحی و تنزیل کے تمام مشمولات پائے جائیں، اور جس میں انفرادی و اجتماعی اور اخلاقی و روحانی اقدار و احکام کی پوری پوری تفصیل درج ہو۔

یہ لفظ اپنے تمام استعمالات اور مشتقات کے اعتبار سے عربیت فصحیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور قرآن، حدیث اور فقہ و ادب کے ذخائر میں اس کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ اس کے معنی کے تعین میں کسی قسم کی دشواری کا سامنا کرنا نہیں پڑتا، لیکن اس کے باوجود بعض حضرات نے خواہ مخواہ جو اس کو آرامی الاصل قرار دینے کی زحمت فرمائی ہے اس کو شوق استشراق کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تکمیل و ارتقا کے متفرق مرحلوں میں عربی نے حمیری، عبرانی اور آرامی زبانوں سے استفادہ کیا ہے لیکن جب اس نے آخر کار ایک مستقل بالذات زبان کی حیثیت اختیار کر لی اور نہ صرف وضع

---

[1] الاحقاف: ۲ [2] الجمعہ: ۲

اشتقاق اور استعمال و تصرف کا اپنا سانچا بنالیا، بلکہ فصاحت و بلاغت کے بہترین نمونوں کو بھی اپنے دامنِ اظہار میں سمیٹ لیا، تو اس کے بعد اس کے کسی لفظ کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کے لیے پھر انہی بوسیدہ اور گھسی پٹی زبانوں کی طرف رجوع کرنا، جن کا اب کہیں چلن اور رواج نہیں، اچھے خاصے واضح اور نتھرے ہوئے مفہوم کو غموض و اجمال کا ہدف بنانے کے مترادف ہے۔

اس لفظ میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وحی و تنزیل کے لطائف، مضامین اور اسلوب کا صحیح معنوں میں اگر کوئی صحیفہ حامل ہو سکتا ہے تو وہ یہی صحیفہ مبارک ہے یعنی کسی ایسی کتاب کا تصور اگر ذہنِ انسانی کی گرفت میں آسکتا ہے جو کتاب ہو اور عام کتابوں کی طرح نہ ہو جو الفاظ و حروف سے ترتیب پذیر ہو اور الفاظ و حروف کی سطح سے کہیں بلند اور فائق ہو تو یہ فخر و اعزاز صرف اسی حرف آخر کو حاصل ہے جو انسانی ہدایت و رہنمائی کے لیے نازل ہوئی۔ وحی کی کیا حقیقت ہے؟ اس کا مزاج اور خصوصیات کیا ہیں؟ پیغمبر کون ہیں؟ ان کے پیغام و دعوت کا کیا انداز ہے؟ اور وہ کیا پیمانے اور معیار ہیں جن سے وحی و تنزیل کی گہرائیوں کا پتہ چل سکے؟ یہ سب سوال، قطعی حل نہ ہو پاتے، اگر اس کتاب کا نزول نہ ہوتا، اور ربوبیتِ کبریٰ کی ارزانیاں اس معلیٰ صحیفے کی شکل میں متشکل نہ ہوتیں۔ دوسرے لفظوں میں قرآن صرف الہامی کتاب ہی نہیں، تمام الہامی کتابوں کی روح، کا پیدا اور کسوٹی بھی ہے۔

الفرقان: ارشادِ باری ہے:

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا [۵۳]

وہ خدا بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ دنیا بھر کے لیے ہدایت قرار پائے۔

یہ لفظ بھی اپنے تمام استعمالات کے ساتھ عربی الاصل ہے۔ سورۂ بقرہ، آل عمران، انفال انبیاء، اور فرقان میں قریباً سات مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ دوسرے مشتقات: جیسے فرقنا، یفرقون، فرقوا، نفرق، فرقاً، فِراقٌ، فَرِیْقٌ اور فارقات وغیرہ بھی قرآن کی مختلف سورتوں میں متعدد بار آئے ہیں اور ان سب میں قدرِ مشترک، وہ حقیقت ہے، جیسے ہم عام بول چال میں دو متقابل یا یکساں چیزوں میں باہم فرق کرنے، علیحدہ ہونے یا امتیاز روا رکھنے سے تعبیر کرتے ہیں۔

---

۵۳ الفرقان: ۱

لسان میں ہے :

الفرق خلاف الجمع ۔ یعنی فرق کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب دو مجتمع اشیا میں کسی ایک کو الگ کیا جائے ۔ انہی معنوں میں اس مشہور حدیث کا بھی اطلاق ہوا ہے :

البیعان بالخیار ما لم یتفرقا ۔ یعنی دو بیع و شرا کرنے والوں کو بیع کو فسخ کر دینے کا اس وقت اختیار حاصل ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو جاتے ۔

فرقان کے معنی ہر اس چیز کے ہیں جس سے حق و باطل میں امتیاز ہو، یا جس سے غلط و صحیح کے دھارے الگ الگ نظر آتے ہیں ۔ فعلان کے وزن پر خسران، حسبان اور شکران ایسے متعدد الفاظ عربی لغت میں مستعمل ہیں ۔ حضرت عمر کو بھی فاروق اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ ان کی مجتہدانہ بصیرت نے ہمیشہ حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز کے حدود کو پہچانا ہے اور ان کے مطابق فتویٰ و رائے کا اظہار کیا ہے ۔

عمر بن عبدالعزیز کی مدح میں فرزدق کا ایک شعر ہے :

اشبھت من عمر الفاروق سیرتہ   فاق البریۃ و أتمت بہ الامم

اس سورۃ کو فرقان کے نام سے موسوم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس نام اور وصف میں دلالت کا ایک مخصوص پہلو پایا جاتا ہے ۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن نے کتب سابقہ کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال کیا ہے ۔ مگر جہاں تک قرآن حکیم کے معانی و مطالب پر اس کے اطلاق کا تعلق ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس کا امتیازی وصف ہے ۔

فرقان کے معنی جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں ایسی شے کے ہیں جس کے ذریعہ حق و باطل میں امتیاز روا رکھا جا سکے ۔ حق و باطل کا لفظ قرآن کی اصطلاح میں اپنی آغوش میں اس تمام کشمکش، اختلاف اور آویزش کو لیے ہوئے ہے جس کا تعلق کائنات کی حیثیت، رب کائنات کے وجود، نظریۂ تاریخ، اقدار خیر و شر اور تہذیب و تمدن کے مختلف سانچوں سے ہے ۔ چنانچہ قرآن حکیم رشد و ہدایت کے علاوہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اس دنیا، اس کارگہ حیات اور دبستان کا وجود کیونکر ظہور پذیر ہوا ۔ اس کا نقطۂ انطلاق یا آغاز کیا ہے، اور نقطۂ افتراق، یا قیامت و بعثت کا وقوع کب ہوگا ۔ اس کو کس ذات گرامی کے دست قدرت نے پیدا کیا، اور اس کے ہاں عبادت و بندگی کا کونسا اسلوب

پسندیدہ ہے۔ محدود اور غیر محدود کے درمیان رشتہ و تعلق کی کیا نوعیت ہے اور کس حد تک اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اس نے قوموں کے اسبابِ عروج و زوال پر بھی روشنی ڈالی اور اس حقیقت کی بھی پردہ کشائی کی کہ اقدار خیر و شر کی کارفرمائی اور اثر اندازی سے تہذیب و ثقافت کے نقشے کیونکر متاثر ہوتے، بنتے اور بگڑتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کیا ہے کہ اقدار خیر و شر کی روشنی میں زندگی کے پیمانے وحی و نبوت کی وساطت ہی سے متعین ہوتے اور نکھرتے ہیں۔

غرض تکوینی مسائل سے لے کر اخلاق و معاشرت اور علوم و معاشرت کے حقائق تک جہاں بھی نزاع، اختلاف یا تضاد رونما ہوا ہے اور انسانی ذہن و فکر تحیر و شک کی وادیوں میں بھٹکا اور خوار ہوا ہے قرآن نے اس کی نشان دہی کی ہے۔ اور کشمکش اور بحث و جدل کے ہر ہر موڑ پر فیصلہ کن روش اختیار کر کے بتا دیا ہے کہ حق کسے کہتے ہیں اور باطل کس سے تعبیر ہے:

ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم۔[4] یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے بہتر ہے

قرآن: اس کتابِ ہدیٰ کا اگر کوئی معروف ترین، یا ذاتی نام ہو سکتا ہے تو وہ یہی اسم اکبر قرآن ہے۔ چنانچہ خود اس کتاب نے متعدد آیات میں اس اسمِ مبارک کا ذکر اسی نہج سے کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد صفاتی ناموں کے پہلو بہ پہلو، صرف یہی ایک نام ایسا ہے جس کی دلالت و اطلاق کے دائرے اپنی آغوش میں تسمیہ و ذات کی تمام تر خصوصیات کو لیے ہوئے ہے۔ چنانچہ مختلف سور اور سیاق و سباق کی بوقلموں مناسبتوں کے پیشِ نظر قرآن کا ذکر بحیثیت اسم ذات کے ستر سے زائد مقامات پر ہوا ہے:

واوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ[5]

اور یہ قرآن مجھ پر اس لیے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے تم کو اور جس حد تک اس کی آواز پہنچے اس کو آگاہ کر دوں۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔[6]

اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم رحمت کے سزاوار قرار پاؤ۔

اسی طرح لفظ قرأ کے استعمالات اور مشتقات، قرآن، حدیث، تاریخ اور ادب عربی کے دفاتر میں ہزاروں اور لاکھوں مرتبہ آئے ہیں اور ہر جگہ اس کا مفہوم متعین اور جانا بوجھا ہے۔ یہ لفظ

---

[4] بنی اسرائیل ۹ [5] الانعام ۱۹ [6] الاعراف ۲۰۴

قرأ کا مصدر ہے جس نے اسم ذات کے لوازم کو اختیار کر لیا ہے۔ لیکن بعض مستشرقین کی شرارت ملاحظہ ہو کہ انھوں نے فرقان کی طرح اس لفظ اور اس کے اطلاقات کے رشتوں کو خواہ مخواہ آرامی سے جوڑنے کی سعی کی ہے۔ دراصل ان کے دلوں میں ایک چور چھپا بیٹھا ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ عربی زبان کو کسی بھی طرح تکمیل و ارتقا کے اس مقام پر فائز نہیں دیکھ سکتے کہ جہاں یہ وحی و تنزیل کی نزاکتوں کی متحمل ہو سکے، آسمان کے خزائنِ معنوی کو اہلِ زمین کے سپرد کر سکے اور مابعد الطبیعی حقائق یا حکیمانہ اور اونچے نکات کی شرح و ترجمانی کے فرائض کو بحسن و خوبی ادا کر سکے۔ ان کے نزدیک عربی زبان، اہلِ بادیہ و خیام کی زبان ہی تو ہے۔ اس کا بھلا مہذب اور علمی زبانوں سے کیا مقابلہ؟ اور اس بنا پر اس میں یہ بلندی کہاں ابھر سکتی ہے کہ علوم و فنون اور حقائق دینی کی ترجمانی بھی کر سکے۔ کیونکہ یہ مقام کسی زبان کو مختلف تہذیبی اور ثقافتی مراحل سے گزرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت تک عرب ان مراحل سے آشنا نہیں ہو پائے تھے۔

اس مرحلہ پر ہم عربی زبان کی خصوصیات و مزاج کے بارے میں سردست صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کو قرآن کا اعجاز سمجھ لو کہ اس نے اس بے مایہ زبان کو ادائے مطالب کی اس سطحِ بلند تک اچھال دیا اس نے نہ صرف معارفِ دینی کی اشاعت و فروغ کی ذمہ داریاں سنبھالیں، اس کے لطائف و دقائق کی نشان دہی کی اور علم و آگاہی کے نئے اور اچھوتے پہلوؤں کو واضح کیا، بلکہ افلاطون اور ارسطو کی میراثِ فکری میں بھی گراں قدر اضافے کا موجب بنی۔

کیا اس سے اس زبان کی جامعیت، عظمت اور ثروت کا اندازہ نہیں ہوتا؟ تاریخ اور خیال آرائی میں یہی فرق تو ہے جس کو مستشرقین ملحوظ نہیں رکھتے۔ آخر یہ لوگ اس حقیقت سے کیوں ناواقف رہنے پر مُصر ہیں کہ یہی وہ زبان ہے جو چودہ سو سال سے دنیا بھر کے علوم و فنون کے خزائن کی نہ صرف امین و نگران رہی ہے بلکہ ان کو لٹا اور بانٹ رہی ہے اور اب بھی اس کی فیض رسانیوں کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

قرآن مہموز ہے یا غیر مہموز۔ یہ درست ہے کہ اہلِ لغت و ادب میں اس بارے میں اختلاف رائے ہے لیکن دونوں صورتوں میں بہرحال یہ طے ہے کہ یہ لفظ عربی مبین سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ بھی طے ہے کہ اس تسمیہ میں ایک خاص مناسبت پنہاں ہے۔

جمہور کے نزدیک یہ لفظ مہموز ہی ہے اور قرأ کا مصدر ہے جس کے معنی پڑھنے اور تلاوت

کرنے کے ہیں۔ اس میں دراصل اس تفاؤل اور پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے کہ اس کتاب کی تلاوت و قرأت کے دائرے دیگر تمام الہامی نوشتوں سے زیادہ وسیع اور جامع ہوں گے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تمام عالم اسلامی میں صبح و مسا، جس قدر اس کی تلاوت ہوتی ہے دنیا کی کوئی دوسری کتاب اس بارہ میں اس کی حریف نہیں۔

جن لوگوں نے اسے قرء سے مشتق مانا اور یہ کہا کہ اس کے معنی جمع کرنے کے ہیں، ان کے نزدیک اس تسمیہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے، علاوہ دوسری خوبیوں کے اس کتاب نے تمام سابقہ کتب کے ثمرات و نتائج کو اپنے دامنِ ہدایت میں سمیٹ لیا ہے۔ راغب کی یہی رائے ہے، اور خود قرآن حکیم سے اس کی تائید ہوتی ہے:

ما فرطنا فی الکتاب من شیء[۵۷]

اور ہم نے کتاب میں کسی چیز کے درج کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔

فیھا کتب قیمۃ[۵۸]

اس میں مستند اور استوار کتابیں موجود ہیں۔

امام شافعی اور ابن کثیر کے نزدیک لفظ قرآن، غیر مہموز ہے اور اس کتاب کا اسم ذاتی ہے۔ قرطبی نے لفظ قرآن کو قرائن سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ اس کی تمام آیات باہم پیوستہ اور مشابہ ہیں۔ زجاج نے جو ایک مشہور لغوی ہے مہموز اور غیر مہموز کی بحث کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ یہ لفظ دراصل تو مہموز یا ہمزہ ممدودہ ہی کے ساتھ ہے جن لوگوں نے اسے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے انھوں نے بربنائے تخفیف ایسا کیا ہے[۵۹] بربنائے اصالت نہیں۔

گویا جہاں تک اشتقاق و استعمال کی معنی آفرینیوں کا تعلق ہے یہ کتاب ایک تو تمام حقائق دینی اور علوم معرفت کی جامع ہے اور ان تمام سچائیوں کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے، جو نبوت و رسالت کے طویل ترعہد اور تبلیغ و اشاعت کی وسیع تر تاریخ کو محیط ہیں یعنی اس میں وحی و تنزیل کے وہ تمام

---

۵۷ انعام : ۳۸ ۵۸ بینہ : ۳

۵۹ پوری بحث کے لیے دیکھیے البرہان، زرکشی، مطبوعہ ۱۹۵۷ مصر جلد اول، ص ۲۷۷ تا ۲۷۸۔

مشمولات داخل ہیں، جن سے فکرِ انسانی نے جِلا پائی۔ عمل و کردار حسن و زیبائی کے سانچوں میں ڈھلا، اور علم و ادراک کی مشعلیں فروزاں ہوئیں۔

دوسرے یہ پیغام و دعوت اور حق و صداقت کا سرچشمہ و منبع صافی ہونے کے ساتھ ساتھ وحیٔ تنزیل کی جانچ پرکھ کا معیار اور کسوٹی اور فرقان بھی ہے اور اس اسلوب اور ادائے خاص کی حامل بھی ہے جس کی روشنی میں دنیا میں تمام مروجہ کتابوں میں ان حصص کو صاف پہچانا جا سکتا ہے جن کا تعلق براہِ راست آسمان کی فیض رسانیوں یا قول جبریل سے ہے۔ وجہ ظاہر ہے جس طرح ادب کی ایک زبان اور اسلوب ہے، جس طرح فقہ و قانون کا ایک سانچہ اور ڈھنگ ہے اور جس طرح علم الکلام اور مابعد الطبیعی حقائق اور لطائف کو بیان کرنے کا ایک انداز اور طریق ہے۔ ٹھیک اسی طرح وحیٔ تنزیل کی معجزہ طرازیوں کا بھی متعین مزاج اور تیور ہیں۔ ذوق شرط ہے۔ وحی کی زبانِ صدق سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ بول اٹھتا ہے کہ میں کیا ہوں۔

تیسرے، لفظ قرآن کی دلالت و اطلاق سے اس بشارت کا پتہ چلتا ہے کہ یہی وہ صحیفہ مقدس اور حکمت و معرفت کا بحرِ بے کراں ہے جس کو زیادہ سے زیادہ لوگ پڑھیں گے اور برکت و سعادت حاصل کریں گے، جو ہر ہر دور میں ہزاروں اور لاکھوں سینوں کو روشنی اور ضو بخشے گا، اور جس کے فہم و ادراک اور تفسیر و تشریح کے سلسلہ میں ہر سطح اور صلاحیت کے لوگ برابر کوشاں رہیں گے اور اپنی اپنی صلاحیت و ظرف کے مطابق اس سے استفادہ کریں گے۔ قرآن کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ اس کی تلاوت و قرأت کے دائرے روز بروز وسیع سے وسیع تر ہو جائیں گے۔ بلکہ اس کے پڑھنے اور تلاوت کرنے میں فہم و ادراک اور عمل تینوں عناصر برابر کے شریک ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ہر زمانے کے لوگ اپنی مشکلات اور مسائل کے لیے اس مینار کی طرف رجوع ہوں گے، اس کتاب الٰہی کو پڑھیں گے اور بار بار اس پر غور و فکر کریں گے۔ اس میں ڈوبیں گے اور اس کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کریں گے تاکہ ہر زمانہ اور ہر حالت میں حق و صداقت کے متلاشی اپنے لیے فکر و عمل کی راہوں کو متعین کر سکیں۔

قرآن کی اس پذیرائی اور رہنمائی کے کرشمے دیکھنا ہوں تو علوم و فنون کی تاریخ سے متعلق ان ماخذ و مقامات پر ایک نظر ڈال لو جن میں عہد بہ عہد ان کوششوں کا بہ تفصیل ذکر ہے جو اس کی تشریح، تفسیر اور تاویل کی تشریح کے سلسلہ میں بروئے کار آئیں۔ تمھیں حیرت ہوگی کہ انسانی فکر اور قابلیت نے کس کس پہلو سے

اس سے اعتنا کیا ہے اور کن کن گوشوں کو تحقیق و تفحص کا ہدف ٹھہرایا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کی بے کرانیوں کا یہ عالم ہے کہ ہنوز حقائق و مطالب کا یہ بحرِ ذخار نہ صرف یہ کہ پایاب نہیں ہوا بلکہ بایں کاوش و سعی ایسے نئے مفسرین کے انتظار میں ہے جو جدید ترین ساز و سامان سے لیس ہو کر اس میں غواصی کریں اور ایسے نئے نئے اور گراں قدر جواہر و لآلی کو پا لینے میں کامیابی حاصل کریں جن کی آب و تاب سے مادیت پرستی کی آنکھیں خیرہ ... ہو کر رہ جائیں۔

اساسیاتِ اسلام

از مولانا محمد حنیف ندوی

اس دورِ تشکیک میں عالم اسلامی کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اسلام کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے موجودہ ارتقا کی روشنی میں کیونکر از سر نو مربوط اور استوار فکر کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ مولانا کی یہ کاوشِ علمی اسی اہم مسئلہ کے حل کی نمود کو بہ احسن وجہ پورا کرتی ہے۔ اس میں اثباتِ باری، اسلام کے نظامِ حیات، ایمان بالآخرۃ اور اسلام کے اخلاقی نظام کے بارے میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کی پردہ کشائی بھی کی گئی ہے کہ اسلامی تہذیب و ثقافت کا مفہوم کیا ہے۔ نظامِ حکومت کے متعلق اسلام کس نظریے کا حامل ہے اور یہ کہ تقسیمِ دولت کے بارے میں اسلام کا تصورِ عدل کس اقتصادی ڈھانچے کا مقتضی ہے۔ مولانا نے اس کتاب میں مذہب، فلسفہ، تصوف اور سائنس کے حقائق کو کامیابی کے ساتھ سمو کر بیان کیا ہے جس سے کتاب کی دلکشی اور معنویت میں بدرجۂ غایت اضافہ ہوا ہے۔

اسلوبِ بیان غیر معذرت خواہانہ، علمی اور شگفتہ ہے۔

صفحات :   قیمت : دس روپے پچاس پیسے

(ملنے کا پتہ)

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور